ڈاکٹر ابرار عبدالسلام

امیر مینائی کی تاریخ گوئی

کسی واقعہ کے تاریخی وقوع کو الفاظ میں اس طرح بیان کرنا کہ ان الفاظ کے حروف کے متعینہ اعداد سے مطلوبہ واقعے کا سال وقوع ظاہر ہو، اصطلاحاً اسے تاریخ کہتے ہیں اور یہ عمل تاریخ گوئی کہلاتا ہے۔ اس فن کو نثر یا شاعری میں برتنے والے کو تاریخ گو کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جس میں حروف اعداد کی قیمت متعین کرتے ہیں اور اس فن کا ماہر حروف یا الفاظ کی مدد سے لمحات گریزاں کو اس انداز میں نقش دوام عطا کرتا ہے کہ وہ ایک سالِ مطلوب ہی نہیں رہتا بلکہ ایک گہری تہذیبی معنویت کا حامل بھی بن جاتا ہے۔ ممکن ہے آج اس فن کو فعل عبث اور وقت کا ضیاع سمجھا جاتا ہو لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب ایک اچھے تاریخ گو کو بڑی قدر و منزلت حاصل ہوتی تھی اور معاشرے میں اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کہنہ مشق اور استاد شاعر کے لیے اس فن سے کما حقہ واقفیت ضروری سمجھی جاتی تھی۔

اس فن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے فطری ذہانت، خداداد صلاحیت، ذہن رسا، علم ریاضی میں خاطر خواہ قابلیت، مسلسل مشق اور شب و روز کا ریاض درکار ہوتا تھا۔ تاریخ گوئی کسی بھی شخص کی استادی، طباعی، ذہانت، علم و فضل اور کاوش فکر کا ایسا امتحان ہوتا تھا جس میں کامیابی کا سہرا کسی کسی کے سر ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بحرِ بے کراں میں ماہر پیراک حوصلہ ہارتے اور اس صحرائے بسیط میں بڑے بڑے خضرِ راہ گم کرتے نظر آتے ہیں لیکن ایسے مشاق شعرا کی، کسی بھی دور میں کمی نہیں رہی (حتیٰ کہ آج کے دور میں کہ جب اسے وقت کا ضیاع تصور کرنے والوں کی بھی کمی نہیں) جن کے ہاتھوں میں یہ فن ہنروری کے اعلیٰ نمونوں میں ڈھل کر معجزانہ خلاقی کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ ادھر کوئی واقعہ رونما ہوا، ادھر اس کی تاریخ کہہ دی۔ یہاں تک کہ اپنی قابلیت اور استادی کا اظہار اس حد تک کیا جاتا کہ گفتگو بھی تاریخی کرتے۔ منشی فدا علی فارغ عموماً گفتگو کرتے تو تاریخی جملے بولتے۔ ایک مرتبہ محکمۂ مدار المہامی میں دو گھنٹے تک گفتگو تاریخی کرتے رہے اور سوال و جواب بھی تاریخی جملوں میں ادا کیا۔[1]

انیسویں صدی عیسوی میں شمالی ہند ایک ایسا خطۂ زمین تھا جہاں تاریخ گوئی نے ایک فیشن کی صورت اختیار کر لی تھی۔ شاعر کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ وہ تاریخ گو بھی ہو۔ اگر کوئی شاعر تاریخ نہ کہہ سکتا ہو تو اس کی شاعرانہ صلاحیت مشکوک سمجھی جاتی تھی۔[۲] اس عہد میں جب تاریخ گوئی کا شوقِ فراواں شمالی ہند کی تہذیبی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا، اس وقت امیر مینائی نے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ شاعری کے ساتھ ساتھ تاریخ گوئی کے فن میں بھی مشق بہم پہنچائی اور اس میں اس درجہ مہارت حاصل کی کہ انھوں نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی۔ دور دور سے انھیں تاریخوں کی فرمائشیں آتیں۔

امیر مینائی کو تاریخ گوئی سے خاص شغف تھا۔ ان کی تاریخ گوئی سے دل چسپی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی کئی تصانیف کے نام تاریخی رکھے، مثلاً ''مخمس نعتیہ'' ۱۲۷۵ھ، ''رموز غیبیہ ۱۲۸۰ھ''، ''مضامین دل آشوب ۱۲۸۴ھ''، ''گوہر انتخاب ۱۲۸۵ھ''، ''محامد خاتم النبیین ۱۲۸۷ھ''، ''مراۃ الغیب ۱۲۸۹ھ''، ''ذکر شاہ انبیا ۱۲۹۰ھ''، ''انتخاب یادگار ۱۲۹۰ھ''، ''خیابانِ آفرینش ۱۳۰۵ھ''، ''صنم خانۂ عشق ۱۳۰۶ھ''، ''ذکر شاہ انبیا ۱۲۹۰ھ''، ''وظیفہ جلیلہ ۱۸۶۴ء'' تاریخی نام ہیں۔ 'جان تاریخ' ۱۲۶۴ھ کے نام سے عربی، فارسی اور اردو کے ہم عدد الفاظ کا بھی ایک مجموعہ لکھا جو کہ غیر مطبوعہ ہے[۳]۔ اس کے علاوہ مثنوی ''کارنامہ عشرت ۱۲۸۷'' اور واسوخت'' واسوخت اردو ۱۲۸۴ھ''، ''شکایت رنجش ۱۲۸۴ھ''، ''غبار طبع ۱۲۸۴ھ''، ''حسد اغیار ۱۲۸۴ھ''، ''صفیر آتش بار ۱۲۸۴ھ'' اور ''بانگ اضطرار ۱۲۸۴ھ'' تاریخی نام ہیں[۴]۔ ''نغمۂ قدسی ۱۲۶۹ھ''، اور ''رمز الغیب ۱۲۹۰ھ'' بھی تاریخی نام ہیں[۵]۔

اگر چہ امیر مینائی (۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء۔۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ وہ ایک نعت گو، غزل گو، مثنوی نگار، اور قصیدہ نگار شاعر، نثّار، تذکرہ نگار، مکتوب نگار، لغت نویس، ماہر علم رمل، ماہر علم جفر، ماہر علم موسیقی، شارح، مترجم، مدیر، مرتب اور بہت کچھ تھے۔ ان کا ادبی کام مختلف اصناف نظم و نثر پر پھیلا ہوا ہے۔ اسی متنوع ادبی جہات کے باعث وہ انیسویں صدی کی ایک اہم ادبی شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کی علمی جہتوں کے تمام امکانات کو ہنوز دریافت نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ان کی شخصیت کا ایک پہلو تاریخ گو شاعر کا بھی ہے جس کی طرف بھی کم ہی توجہ دی گئی ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کی مطبوعہ تاریخیں یک جا صورت میں موجود نہیں۔ صرف 'مراۃ الغیب' میں چند تاریخیں موجود ہیں۔ بقیہ تاریخیں انیسویں صدی کی مطبوعہ تصانیف میں بکھری ہوئی صورت میں موجود ہیں۔ یہ وہ تاریخیں ہیں جو انھوں نے شعرا کی تصانیف کی اشاعت یا تکمیل کے

جوالے سے کہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی بیش تر تاریخیں غیر مطبوعہ ہیں۔ کریم الدین نے ان کی ایک قلمی بیاض کی نشان دہی کی ہے جس میں ایک سو تینتالیس (۱۴۳) تاریخیں موجود ہیں[۶]۔ اسی طرح انھوں نے تحریر کیا ہے کہ رام پور کے قبرستان میں بیش تر قبروں پر امیر کی کہی ہوئی تاریخیں موجود ہیں[۷]۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر نے تین سو سے زائد تاریخیں کہیں ہوں گی۔

کریم الدین نے امیر مینائی کی جس بیاض کی نشان دہی کی ہے وہ بیاض یا اسی طرح کی ایک اور بیاض خانوادۂ امیر مینائی میں موجود ہے۔ اس مقالے میں موجود اول الذکر گیارہ تاریخیں اسی بیاض سے نقل کی گئی ہیں۔ یہ امیر مینائی کی تحریر نہیں بلکہ رام پور میں ان کے دفتر میں ملازم کسی کاتب کی ہے۔ بقیہ تاریخیں خانوادۂ امیر کے کتب خانے میں محفوظ مخطوطات، مکتوبات اور فائلوں میں موجود ہیں۔ یہ تمام تاریخیں مشفق و مہربان اسرائیل احمد مینائی کی وساطت اور کرم فرمائی کی بہ دولت ہمیں حاصل ہوئی ہیں[۸]۔ نواب کلب علی خان کی تاریخ اسرائیل احمد مینائی نبیرۂ امیر مینائی کی نقل شدہ ہے۔ محسن کاکوروی کے صاحب زادگان کی شادی کی تاریخ اسرائیل احمد مینائی کے بڑے بھائی اسمٰعیل احمد مینائی تسنیم کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔ تسنیم، صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کا دیوان 'موجِ تسنیم' کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ اسرائیل احمد مینائی کے بہ قول: ''وہ اس تاریخ کو ایک مضمون کی صورت میں کسی رسالے میں شایع کروانا چاہتے تھے لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور ان کی یہ خواہش ادھوری رہ گئی''۔ محمد خان یوسف زئی کی وفات کی تاریخ اخبار ''دبدبۂ سکندری'' سے نقل کر کے بھیجی گئی ہے۔ مسجد کی تعمیر کی تاریخ بھی کتب خانے میں موجود کاغذات سے تلاش کر کے بھیجی گئی ہے۔ رسالہ 'سبعہ سیارہ' کی تاریخ امیر مینائی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ تاریخ احسن اللہ خان ثاقب کے مرتبہ مجموعے ''مکاتیب امیر مینائی'' میں بھی موجود ہے۔ لیکن پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں موجود جو تبدیلی امیر مینائی نے خود کی ہے اس کی نشان دہی نہیں کی گئی۔ اس تاریخ کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں امیر مینائی نے سالِ مطلوب کے معمے کا حل بھی خود ہی تحریر کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب میں اس کا حل بھی موجود نہیں۔ اس تاریخ کے نیچے خلف اکبر امیر مینائی اور اسرائیل احمد مینائی کے والد محترم مرحوم محمد احمد مینائی جو صریر تخلص کرتے تھے، کی تحریر ہے جس میں انھوں نے اپنے والد کی طرف سے اپنے ماموں فصیح الزماں سے مذکورہ تاریخ کے حوالے سے رائے لی ہے۔ تحریر یہ ہے۔ ''ماموں صاحب! تسلیم، ابّا جان فرماتے ہیں کہ یہ تاریخ دیکھو اور اگر کوئی حسن بڑھ سکے تو بڑھاؤ یا کوئی عیب نظر آئے تو مٹاؤ۔ فقط محمد احمد عفی عنہ''، فصیح الزماں صاحب کا جواب تاریخ کے بائیں طرف تحریر ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ ''مالاح من ذہن الشریف فہو نجم الثاقب۔ وما انا

بلاعب۔فقط فصیح عفی عنہ‘‘ ترجمہ (بڑے آدمی کے ذہن سے جو بھی سامنے آجاے وہ نجم الثاقب کی طرح ہے۔میں کوئی غیر سنجیدہ بات نہیں کرر ہاہوں فقط فصیح عفی عنہ) فصیح الزماں صاحب مدرسہ عالیہ رام پور میں عربی کے استاد تھے۔ذیل میں امیر مینائی کی تاریخیں پیش کی جارہی ہیں۔ان میں سے چار مطبوعہ اور باقی بارہ (نمبر ۸،۱۶،۲۰،۲۲) تاریخیں غیر مطبوعہ ہیں۔

الف۔قطعہ تاریخ رحلت نادر شاہ خان۹

تردستیِ شریعتِ اسلام دیکھنا ۔۔۔ کیا دھوتی ہے سیاہیِ اعمالِ زشت کو
حاجی ہر اک گناہ سے ہوتا ہے پاک صاف ۔۔۔ یہ رکن کعبہ کرتا ہے دل کی کنشت کو
شاہد ہے اس پر ایک معزز کی سرگذشت ۔۔۔ رونق تھی جس سے سلسلۂ خاص چشت کو
گھر سے خدا کے گھر کی طرف شوق سے چلا ۔۔۔ سرسبز تا کرے وہ امیدوں کی کِشت کو
برآئیں خوب حج و زیارت کی حسرتیں ۔۔۔ جھک جھک کے سجدے کیجیے اس سرنوشت کو
ذالحج کی تیرھویں تھی کہ دنیا کو دی طلاق ۔۔۔ دیں دار لات مارگیا اس پلشت کو
مصرع کہا امیر نے سالِ وفات کا ۔۔۔ حج بعد ان کو لے گئیں حوریں بہشت کو

۱۳۰۱ھ

ب۔قطعہ تاریخ انتقال جنرل محمد اعظم الدین خان بہادر مدار المہام ریاست رام پور۱۰۔

کیا غضب ہے گردشِ لیل و نہار ۔۔۔ کیا ستم ہے انقلابِ روزگار
ایک دم میں کچھ ہے یاں اک دم میں کچھ ۔۔۔ کب گھڑی بھر ہے زمانے کو قرار
چشمِ حق بیں سے اگر دیکھے کوئی ۔۔۔ ذرّے ذرّے سے ہے عبرت آشکار
شاہد اس دعوے پہ میرے ہے امیر ۔۔۔ ماجرائے جنرلِ عالی وقار
تیسرے روزے کو بعد افطار کے ۔۔۔ گھر سے نکلے ہو کے بگھی میں سوار
اک جگہ دعوت تھی جب واں سے پھرے ۔۔۔ راہ میں تھی موت سرگرمِ شکار
کتنے ہی اعدا لگے تھے گھات میں ۔۔۔ وقت پاکر آگرے سب ایک بار
ظالموں نے مار ڈالا بے خطا ۔۔۔ پاس تھا یاور نہ کوئی غم گسار
ہو لحد یارب اسے آغوشِ حور ۔۔۔ سوئے دولھا کی طرح وہ بختیار
بے کسی کہتی ہے ایک ایک سے امیرؔ ۔۔۔ فاتحہ پڑھ لے ہے جنرل کا مزار۱۱۔

۱۳۰۸ھ

ج۔ایضاً

جانبِ گورِ غریباں ایک دن — اتفاقاً ہو گیا میرا گزار
کچی پکی آئیں کچھ قبریں نظر — کچھ نئے تھے کچھ پرانے تھے مزار
اک طرف سر پیٹتی تھی بے کسی — اک طرف روتی تھی حسرت زار زار
بے نشانی دے رہی تھی یہ نشاں — ہے کوئی شاہ ان میں کوئی شہر یار
کوئی افسر ہے کوئی سردار ہے — کوئی ہے جاں باز کوئی جاں نثار
دیکھتا تھا چشم عبرت بیں سے میں — ماجرائے انقلابِ روزگار
ناگہاں آئی نظر اک تازہ قبر — یاس تھی جس کے کنارے سوگوار
دل بھرا تو تھا ہی اس کو دیکھ کر — بہہ چلے آنسو مرے بے اختیار
سوچتا تھا میں یہ کس کی ہے لحد — کیوں میرا دل اس قدر ہے بے قرار
ناگہاں آواز آئی غیب سے — دفن ہے یاں جنزلِ عالی وقار
ذرّہ ذرّہ کہہ رہا ہے اے امیرؔ — کشتۂ جور و جفا کا ہے مزار

۱۳۰۸ھ

د۔قطعہ شہادت حافظ مبارک علی خاں[۱۲]

حافظ مبارک اول و آخر علی و خاں — پورا ہے نام اور لقب اس سعید کا
جس کو شب چہارم ماہ صیام میں — آیا پیام جلوۂ باری کی دید کا
دربار سید الشہدا میں جگہ ملی — پہنچا حدِ کمال کو رشد اس رشید کا
ملنے کو روحیں آئیں شہیدوں کی اس کے پاس — روزِ وصال اس کو ہوا روز عید کا
سی پارہ اس کے غم میں ہوئے دوستوں کے دل — تھا شیفتہ جو دل سے کلامِ مجید کا
کیسے کھلے ہیں پھول شہادت کے اے امیرؔ — رشکِ چمن مزار ہے بے کس شہید کا

۱۳۰۸ھ

ہ۔قطعہ تاریخ رحلت عبداللہ خان عرف بیچے خان رام پوری[۱۳]

عبداللہ اصل نام تھا اور بیچے خاں تھا عرف — ناگاہ ان کی موت جو مشہور ہو گئی
پتھر کا کام اس خبرِ سخت نے کیا — جس نے سنی صراحیِ دل چور ہو گئی
ایمان کا جو نور تھا ہم راہ بعدِ مرگ — روشن لحد پہ شمع سرِ طور ہو گئی

حسنِ عمل سے لاش پہ تھی یہ چمک دمک — تربت تمام نور سے معمور ہو گئی
در کھل گئے بہشت کے دوڑے ملک امیر — روح اُن کے تن کو چھوڑ کے کیا حور ہو گئی[۱۴]

۱۲۱۱ھ

و۔ قطعہ تاریخ رحلت نیاز احمد خان ہوش بریلوی[۱۵]

ہوش اُڑ گئے یکا یک رحلت جو ہوش نے کی — کیا شاعروں کے دل پر صدمہ ہوا یہ جاں کاہ
سالِ وفات ان کا لکھا امیر میں نے — اہلِ سخن کے مجمع بے ہوش ہو گئے آہ

۱۳۰۹ھ

ز۔ قطعہ تاریخ وفات حضرت دیدار شاہ صاحب[۱۶]

راحت کدہ ہے حضرتِ دیدار شاہ کا — دیتا ہے ذرّہ ذرّہ ء تربت نشاں یہی
نقشِ لحد یہ مصرعِ تاریخ ہو امیر — ہے خواب گاہِ مرشدِ اہل جہاں یہی

۱۳۱۴ھ

ح۔ قطعہ تاریخ وفات مولوی ارشاد حسین رام پوری[۱۷]

صدر آرائے کمال آہ اس جہاں سے اُٹھ گیا — علم کا مسند نشیں شاہ اس جہاں سے اُٹھ گیا
اے امیر اس رحلتِ جاں کاہ کی تاریخ ہے — صاحبِ ارشاد ناگاہ اس جہاں سے اُٹھ گیا

۱۳۱۱ھ

ط۔ قطعہ تاریخ رحلت سید آلِ نبی[۱۸]

نوجواں آلِ نبی نے کی قضا — دردِ ہجرِ دائمی ہے لا علاج
سالِ رحلت سے ہے کچھ تسکیں امیر — خدمتِ آلِ نبی میں پہنچے آج

۱۳۱۱ھ

ی۔ قطعہ تاریخ وفات خاتون سید زاہد حسین زاہد سہارن پوری[۱۹]

رتبۂ خاتون زاہد دیکھ امیر — آج کیا جنت میں اُس کا پایہ ہے
ہے سیادت کی بدولت یہ شرف — چتر سر پر فاطمہ کا سایہ ہے[۲۰]

۱۳۱۲ھ

یا۔ قطعہ تاریخ رحلت محمد حیدر رضا پسر شیر خوار حکیم حسین رضا صاحب[۲۱]

آتے ہی باغِ جہاں میں چل بسے حیدر رضا — اس چمن کی سیر سے کیا جلد جی گھبرا گیا

ہے یہ اُس معصوم کی تاریخِ رحلت اے امیرؔ آہ کیسا پھول تھا جو کھلتے ہی مُرجھا گیا[۲۲]

۱۳۱۰ھ

یب۔قطعہ تاریخ میلہ باغ بے نظیر[۲۳]

داوری کلبِ علی خاں را مزیب در جہاں دایما یارب ہمیں داور بماند حکمراں
از شجاعت معدلت ہمت سخاوت ہر چہار جسمِ داور آفریدہ خالقِ کون و مکاں
شیر چوں روبہ گریزاں سُوے صحرا شد زشہر ہیبتِ ممدوح شد منقوش قلبِ ارسلاں
نیست مغلوبِ اسد ہرگز جدی اختر شناس نورِ عدلش می کند روشن چراغِ آسماں
ہمتِ والاے او نہرِ منارا آب داد بحرِ فیضِ او زمشرق تا بہ مغرب شد رواں
مصطفیٰ آباد یا ارّاں کہ بستانِ ارم یا مَلَک آورد جنت بر زمین از آسماں
خوش تماشا گاہِ عالم ہست باغِ بے نظیر ثانیِ فردوس فرحت دہ چو گل زارِ جناں
مردم ہر فرقہ می آید ز امصار و بلاد می ستاند دولتِ دل خواہ ہر یک شادماں
دایما ہر سال ہر یک کیسہ پُر زر می برد معدن ارّاں کند تقسیم فیاضِ زماں
عمرِ الیاس و خضر ممدوحِ مارا کن عطا از طفیلِ مصطفیٰ یا کارسازِ انس و جاں
شاد و خُرم دارااولادِ مجیدش را الہ سازممدوحِ خلائق مثلِ شاہِ اختساں
سالِ تاریخِ تماشا از دعایم شد پدید باد محکم دایما کلبِ علی خاں حکمراں

۱۳۰۳ھ

یج۔قطعہ تاریخ شادی[۲۴]

مخدوم و محبّ و محسنِ ما لازالی کا سمہٗ مسماہ
از فطرتِ اوست خلق واقف وزسیرتِ اُو زمانہ آگاہ
اسبال بطوی ہر دو فرزند نور و انوار اللہ اللہ
آوازۂ دل نوازیش گشت آویزۂ گوشِ انجم و ماہ
قاضی چو نکاح خواند ،ہاتف ۔۔در داد ندا کہ بارک اللہ
آمد بہ زبانِ اہل مجلس یارب بہ حقِ رسولِ ذی جاہ
بر محسن و احسن و حسن بخش جدّ و اَبّ و عمّ ہر دو نوشاہ
ایں عقد بود چناں مبارک بینند نتیجہ ہاے دل خواہ

بہ نوشت امیرؔ سالِ تاریخ در برجِ شرف دو مہر دو ماہ
۱۳۰۰ھ

ید۔ قطعہ تاریخ وفات محمد عمر خان یوسف زئی رام پوری ۲۵

دسویں مہِ صیام کی آئی تو چل بسے | وقتِ تہجد آہ عمر خان ذی وقار
پائی خدا کے گھر سے پچھتر برس کی عمر | اور سب ہوئی وہ صرفِ عبادات کردگار
جرأت میں فرد عرصۂ ہمت میں پاے مرد | فنِ سپہ گری میں تھے یک تاے روزگار
اُس یکہ تاز کی ہے یہ تاریخ اے امیرؔ | طے کر گیا حیات کا وادی وہ شہ سوار۲۶
۱۳۱۴ھ

یہ۔ تاریخ بناے مسجد ۲۷

مسجد بنی یہ ایسی حسیں اور گھٹی ہوئی | جیسے جناں میں کوئی محل مختصر بنا
اس خانۂ خدا کے قریں ہے وہ خانقاہ | دروازۂ بہشتِ بریں جس کا در بنا
چشمہ ہے فیض حضرت معصوم کارواں | پختہ کنواں جو بہر وضو عمدہ تر بنا
اللہ رے اُس کے آبِ مصفا کی آب و تاب | جس کا ہر ایک قطرہ چمک کر گہر بنا
مسجد جو بن چکی کہی تاریخ امیرؔ نے | مومن پڑھیں صلوہ عبادت کا گھر بنا۲۸
۱۳۱۰ھ

یو۔ قطعہ تاریخ رسالہ سبعہ سیارہ تالیف مولوی منشی احسن اللہ خاں ثاقب سلمہ اللہ تعالیٰ ۲۹

دبیر آسماں ہم چوں امیرؔ از مدح او قاصر

رقم زد حضرت ثاقب کتابی جامع ونادر | کہ ذہن من امیر از مدح وتوصیفش بود قاصر
چو گیرد اول و آخر حروف از سبعہ سیارہ | اگر نافہم نبود سال تاریخش شود ظاہر

سبعہ سیارہ	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر
اوائل سبعہ سیارہ	ز	م	م	ش	ز	ع	ق ۵۶۴
اواخر سبعہ سیارہ	ل	ی	خ	س	ہ	د	ر ۹۰۹

مجموعہ ۱۴۷۳

اعداد ''نافہم'' کہ اشعار بتخرجہ آں رفتہ ۱۷۶ اتمہ بعد تخرجہ مذکورہ ۱۲۹۷ھ

حواشی وتعلیقات

۱ آثار الشعرا، ص ۱۶۵

۲ دیکھیے: دیوان حالی، ص ۳۲۰۔۳۱۹

۳ مطالعہ امیر، ص ۱۲۳۔۱۲۰

۴ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ ''مطالعہ امیر'' میں نشان دہی کی ہے کہ رضا لائبریری رام پور میں 'صفیر آتش بار' اور 'شکایت رنجش' کے قلمی نسخے موجود ہیں جن پر کاتب نے تاریخ کتابت بالترتیب ۱۲۸۱ھ اور ۱۲۸۲ھ تحریر کیا ہے۔ (مطالعہ امیر ص ۲۶۳۔۲۶۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو واسوخت ۱۲۸۱ھ اور ۱۲۸۲ھ میں لکھے جا چکے تھے لیکن ان کے تاریخی ناموں سے ۱۲۸۴ھ مستخرج ہوتا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر مینائی نے ان کے نام بعد میں رکھے۔ کریم الدین نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے 'امیر مینائی اور ان کے تلامذہ' ص ۲۵۷ میں ان چھ واسوختوں کی تخلیق کا سال ۱۲۸۴ھ تحریر کیا ہے۔ جو مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں درست ثابت نہیں ہوتا۔ نصیر الدین ہاشمی نے نشان دہی کی ہے کہ اسٹیٹ لائبریری حیدر آباد آندھرا پردیش میں امیر مینائی کے واسوختوں کا ایک مجموعہ موجود ہے جس میں چھ واسوخت ہیں۔ انھوں نے ان کے نام 'شکایت رنجش'، 'غبار طبع'، 'حسد غبار'، 'صفیر آتش بار' اور 'بانگ اضطرار' تحریر کیے ہیں۔ (کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات از نصیر الدین ہاشمی جلد اول ص ۵۸۔۵۷)۔ نصیر الدین ہاشمی نے دو واسوختوں کے نام تحریر کرنے میں غلطی کی ہے۔ وہ واسوخت 'حسد اغیار' اور 'صفیر آتش بار' ہیں جنھیں انھوں نے 'حسد غبار' اور 'صغیر آتش بار' تحریر کیا ہے۔ کریم الدین نے بھی ایک واسوخت کا نام 'حد اغیار' تحریر کیا ہے جو صحیح نہیں۔ (امیر مینائی اور ان کے تلامذہ ص ۲۵۷)۔ ہاشمی صاحب نے اس مجموعے کا نام واسوخت امیر مینائی تحریر کیا ہے۔ اور اس کے نیچے لکھا ہے ''شکایت رنجش تاریخی نام ہے'' (ص ۵۷) جس سے مترشح ہوتا ہے کہ انھیں یہ معلوم نہیں کہ تمام نام تاریخی ہیں۔ غالباً پہلا واسوخت 'واسوخت اردو' ہوگا جسے انھوں نے واسوخت امیر مینائی عنوان دے دیا ہوگا یا 'شکایت رنجش' پہلا واسوخت ہوگا اور اس کے نیچے ۱۲۸۴ھ لکھا دیکھ کر مذکورہ بالا عبارت لکھ دی ہوگی۔ اسی بنا پر انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ مجموعے کا نام ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ پہلے واسوخت کا تاریخی نام ہے۔ ہاشمی صاحب کو غالباً معلوم نہیں تھا کہ باقی پانچ واسوختوں کے عنوان بھی تاریخی ہیں۔ انھوں نے اس حوالے سے کوئی نشان دہی نہیں کی۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر نے 'مطالعہ امیر' میں تحریر کیا ہے کہ یہ تمام واسوخت پہلی مرتبہ ۱۲۸۵ھ میں مطبع

منشی نول کشور لکھنؤ سے چھپنے والے واسوختوں کے مجموعے 'شعلۂ جوالہ' جلد اول میں شایع ہوئے (ص ۲۶۰) ان کا یہ بیان درست نہیں۔ واسوختوں کا یہ مجموعہ سب سے پہلے ۱۲۸۴ھ میں شایع ہوا۔ اس کی تصدیق درج ذیل تاریخ سے ہوئی ہے۔

ہے قابلِ تحسین قلم فکرِ امیر حقا کہ رقم کیے ہیں کیا کیا واسوخت
تاریخ کہی ان کی سردست اسیر دل چسپ احبا ہیں یہ زیبا واسوخت
۱۲۸۴ھ (ص ۱۴۲)

اس مجموعے کی کتابت اعظم حسین نے کی۔ مجموعے کے آخری صفحے پر ایک فارسی رباعی درج ہے جس کے ایک گوشے میں کاتب اعظم حسین ۱۲۸۴ھ تحریر ہے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ مجموعہ ۱۲۸۴ھ میں کتابت ہو چکا تھا۔ اس مجموعے میں ص ۱۴۴ پر ۱۷ اشعار پر مشتمل داغ کا قطعۂ تاریخ بھی درج ہے۔ جس کے آخری مصرع سے ۱۲۸۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ آخری شعر یہ ہے۔

داغ نے اُس کی یہ کہی تاریخ درد عشّاق حال معشوقاں
۱۲۸۵ھ (ص ۱۴۴)

اس قطعہ تاریخ کے نیچے یہ عبارت تحریر ہے۔ ''یہ قطعہ تاریخ کا بعد طبع ہو جانے اور قطعات کے ۱۲۸۵ھ کو پہنچا۔ یہ بھی درج کیا گیا'' اس عبارت سے بھی مذکورہ بالا مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ ایک امکان یہ ہے کہ ۱۲۸۴ھ کے آخری مہینے کے آخری دنوں میں کتاب اور مجموعے کی طباعت ہو چکنے کے بعد داغ کا قطعۂ تاریخ پہنچا ہوگا اور داغ اور امیر مینائی کے تعلق کو دیکھتے ہوئے اسے بھی مجموعے میں شامل کر لیا گیا۔ امیر مینائی کے واسوختوں کے اس مجموعے کا کوئی نام نہیں۔ سرورق پر اول واسوخت اردو تحریر ہے اور اس کے بعد اگلے صفحے سے پہلا واسوخت شروع ہو جاتا ہے۔

دراصل یہ پہلے واسوخت کا تاریخی نام ہے۔ جسے مجموعے کا نام بھی بنا دیا گیا۔ یا ممکن ہے سرورق پھٹا ہوا ہو۔ اس امکان کو تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ مطبع کا نام بھی پہلے ورق پر درج نہیں۔ اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو کراچی میں موجود ہے۔ چھ واسوختوں کے بعد ص ۱۴۱ پر ''تھوڑا سا حال مصنف کا'' کے عنوان سے امیر مینائی کے حالات درج ہیں اور اس کے بعد مظفر علی اسیر، شیخ ضامن علی ضامنؔ اور داغؔ کی تاریخیں ہیں۔ ص ۱۴۵ سے ۱۴۷ تک غلط نامہ اور آخری صفحے پر ایک فارسی رباعی تحریر ہے۔ مجموعے کے صفحات کی کل تعداد ۱۴۸ ہے۔

۵۔ محترم اسرائیل احمد مینائی صاحب نے راقم السطور کو اپنے کتاب خانے کی فہرست ارسال کی

ہے۔اس میں کئی ایسی کتابوں کا تذکرہ ہے جن کا ذکر ڈاکٹر ابو محمد سحر اور ڈاکٹر کریم الدین نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالوں میں نہیں کیا۔ڈاکٹر ابو محمد سحر نے بعض تصانیف کے متعلق تحریر کیا ہے کہ وہ نایاب ہیں وہ بھی خانوادۂ امیر کے کتاب خانے میں موجود ہیں۔ان میں سے ایک ''نغمۂ قدسی'' ہے یہ کتاب واجد علی شاہ کی موسیقی پر لکھی ہوئی کتاب ''صوت المبارک'' کی چار جلدوں پر مشتمل شرح ہے۔ دوسری ''رمز الغیب'' ہے۔یہ کتاب علم الرمل پر ہے۔یہ دونوں تاریخی نام ہیں اور یہ قلمی مسودے اسرائیل احمد مینائی کے ذاتی کتاب خانے میں محفوظ ہیں۔ان کے علاوہ کئی کتب کے مسودات، امیر مینائی اور امیر کے نام معاصر شعرا اور ادبا کے سینکڑوں خطوط کتب خانے میں محفوظ ہیں۔اسرائیل احمد مینائی کا علمی فیض لکھنے پڑھنے والوں تک پہنچ رہا ہے اور وہ بڑی دریا دلی سے کم یاب اور نایاب مسودات اور کاغذات اہل علم حضرات تک پہنچا رہے ہیں تا کہ وہ ان پر کام کر کے اردو قارئین تک انھیں پہنچائیں۔

۶۔ امیر مینائی اور ان کے تلامذہ ص ۲۷۴۔اسرائیل احمد مینائی کا بیان ہے کہ ان کے پاس جو بیاض ہے اس میں تیس چالیس سے زیادہ تاریخیں نہیں۔کریم الدین جس بیاض کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ ہمارے پاس نہیں۔ممکن ہے کریم الدین نے وہ بیاض صدیق الزماں مرحوم نواسۂ امیر مینائی کے پاس دیکھی ہو کیوں کہ ان کے پاس بھی امیر مینائی کے کچھ نوادرات موجود تھے۔

۷۔ امیر مینائی اور ان کے تلامذہ ص ۲۷۴۔اسرائیل احمد مینائی نے نشان دہی کی ہے کہ رام پور کے قبرستانوں ہی میں نہیں بلکہ رام پور کی سرکاری عمارتوں پر بھی امیر کی کہی ہوئی تاریخیں موجود ہیں۔

۸۔ امیر مینائی کثیر الاولاد تھے۔ان کی اولاد میں محمد احمد مینائی صریر، خورشید احمد مینائی، لطیف احمد مینائی، ممتاز احمد مینائی، مسعود احمد مینائی ضمیر اور بیٹیوں میں معصوم النساء، احتشام النساء اور فاطمہ امیر مینائی کی وہ اولاد ہیں جو طویل عرصہ تک بہ قیدِ حیات رہیں۔امیر مینائی کے بڑے بیٹے محمد احمد مینائی کے سات بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔بیٹوں میں بالترتیب اسمٰعیل احمد مینائی، اسحاق احمد مینائی، ادریس احمد مینائی خالد، الیاس احمد مینائی، اسرائیل احمد مینائی، ایوب احمد مینائی اور سلیمان احمد مینائی ہیں۔محمد احمد مینائی صریر نواب حامد علی خان رشک والیِ رام پور کے استاد تھے۔داغ دہلوی نے انھیں منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ محمد احمد مینائی شاعری میں پہلے قمر تخلص کرتے تھے جسے امیر مینائی نے ناپسند کیا کیوں کہ امیر ستاروں کے نام پر تخلص کو ناپسند کرتے تھے۔پھر انھوں نے محو تخلص اختیار کیا اسے بھی امیر نے ناپسند کیا۔آخر میں صریر تخلص اختیار کیا۔محمد احمد مینائی کی اولاد میں سے اسرائیل احمد مینائی، سلیمان احمد مینائی اور ایک بہن بہ قیدِ حیات ہیں۔امیر مینائی کے نوادرات کتب خانہ اسرائیل احمد مینائی میں محفوظ ہیں۔آپ ہی کے توسط سے

راقم السطور کو تاریخیں، معلومات اور ایک غیر مطبوعہ تاریخی الفاظ کی لغت 'حمائل تاریخ' دستیاب ہوئی ہے۔ 'حمائل تاریخ' کی ترتیب وتدوین کا کام جلد آغاز کر دیا جائے گا۔

۹۔ نادر شاہ خان شوخؔ، شوخیؔ رام پوری، ابن محمد ضامن خان، دلی میں پیدا ہوئے۔ شروع میں سررشتہ دارِ بندوبست کی حیثیت سے ڈیرہ دون میں ملازم رہے تھے۔ بعد کو وسطِ عمر میں طلب معاش کے لیے بنارس گئے اور وہاں کلکٹر کے دفتر میں پہلے نائب ناظر اور بعد کو پیش کار مقرر ہو گئے۔ مرزا قادر بخش صابر ان دنوں بنارس میں مقیم تھے۔ شوخیؔ ان سے مشورہ کرنے لگے۔ اس کے بعد کلکتے چلے گئے اور وہاں کچھ تجارت کا سلسلہ شروع کر لیا۔ مولانا آزاد سے ان کی ملاقات یہاں ہوئی۔ مالک رام نے ان کی وفات بیسویں صدی کے اوائل میں بتائی ہے۔ متوسط درجے کا کلام ہے۔ ابوالکلام آزادؔ نے ان کی غالبؔ سے ملاقات اور شاگردی کا دل چسپ واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ جب میرزا ۱۸۶۰ء میں فردوس مکاں نواب محمد یوسف علی خاں بہادر کی دعوت پر رام پور تشریف لے گئے تو شوخیؔ وہاں موجود تھے۔ یہ غالبؔ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصلاح کی درخواست کی۔ میرزا کا یہ اصول تھا کہ چوں کہ میں دربارِ رام پور کا وظیفہ خوار ہوں اس لیے رام پور میں والیِ رام پور کی اجازت کے بغیر کسی کو شاگردی میں قبول کرنا ٹھیک نہیں۔ انھوں نے شوخیؔ کو بھی یہی جواب دیا اور ان کے کلام پر اصلاح دینا منظور نہیں کیا۔ شوخیؔ اس جواب سے مایوس تو بہت ہوئے لیکن ہمت نہیں ہارے۔ چند دن بعد جب پھر خدمت میں حاضر ہوئے تو میرزا نے کہا شراب کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے اور یہ صرف مراد آباد میں مل سکتی ہے اور ملازموں میں کوئی بھی اس اہم خدمت کے سرانجام دینے کا اہل نہیں۔ شوخیؔ نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔ گھر آئے، منت سماجت کر کے والد سے دام لیے اور ایک کی جگہ پانچ بوتلیں لا کر غالبؔ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ جب غالب نے قیمت ادا کرنا چاہی تو انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اگلے دن جب یہ پھر حاضر ہوئے تو میرزا نے پوچھا کہ بھئی وہ تمھاری غزل کہاں ہے۔ جس پر تم اصلاح لینا چاہتے تھے۔ انھوں نے جھٹ سے کاغذ جیب سے نکال کے سامنے رکھ دیا۔ میرزا نے جگہ جگہ اصلاح دی اور ساتھ ساتھ اصلاح کے وجوہ بیان کرتے گئے۔ اس کے بعد جب میرزا دلّی چلے آئے تو یہ دلی میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ شوخیؔ نے غالبؔ سے زیادہ استفادہ نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ دس پانچ غزلوں پر اصلاح لی ہو گی۔ شوخیؔ کے علاوہ کبھی کبھی شوخؔ تخلص بھی کرتے تھے۔ (تلامذۂ غالب ص ۴۸۵۔۴۸۴) مذکورہ تاریخ میں مذکور ہے کہ ان کا انتقال ۱۳ ذی الحج ۱۳۰۱ھ کو ہوا۔ تقویم کی رو سے ۱۳ ذی الحج مطابق ۴، اکتوبر ۱۸۸۴ء کو بہ روز ہفتہ کے دن ہوا۔ مادۂ تاریخ میں امیر مینائی نے لفظ 'گئیں' میں

ہمزہ کوی کا قائم مقام تصور کرتے ہوئے دس عدد محسوب کیے ہیں۔

۱۰۔ جنرل اعظم الدین ولد نواب غلام معین الدین خاں عرف بھنبھو خاں ابن نواب ضابطہ خان خلف نواب نجیب الدولہ کے بیٹے تھے۔ وطن نجیب آباد مگر پرورش رام پور میں جنرل سیّد علی اصغر خاں کے ہاں ہوئی، جو ان کے حقیقی خالو تھے۔ ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ انگریزی اور فارسی میں دسترس حاصل کی۔ نواب مشتاق علی خاں اپنی ولی عہدی کے دور ہی میں فالج زدہ ہو گئے تھے۔ اور ان کے نواب بننے کی اہلیت پر اعتراض ہونے لگے تھے۔ نواب مشتاق علی خاں نے اپنے عہد میں ۳ مئی کو دو ہزار روپے ماہ وار پر جنرل اعظم الدین کو مدار المہام ریاست مقرر کیا۔ نواب کلب علی خاں کے آخر عہد میں صاحب زادۂ سیّد حیدر علی نیابت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ نواب مشتاق علی خاں کی مسند نشینی ۲۳ مارچ ۱۸۸۷ء کے آٹھ دس روز بعد انھوں نے یہ کام چھوڑ دیا تھا۔ جب جنرل اعظم الدین خاں نے ان سے کنجیاں طلب کیں تو انھوں نے فوراً دے دیں۔

سیّد مشتاق علی خاں انھیں اپنا بھائی اور ریاست کے مالک و مختار کہا کرتے تھے۔ اتنے مہربان تھے کہ نومبر ۱۸۸۷ء میں جب کہ ایک سال بھی نہ گزرا تھا ان کی تنخواہ میں پانچ سو روپے کا مزید اضافہ کر دیا۔ ریاست کے تمام کام ان کی مرضی اور مشاورت سے ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے نواب کے خاندان کے لوگ، عمائد ریاست اور خود نواب بھی ان کے اختیارات سے کبیدہ خاطر رہنے لگے تھے اور ایک مرتبہ تو در پردہ انھیں منصب سے ہٹانے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ ۱۸، اپریل ۱۸۸۸ء کو سیّد مشتاق علی خاں کے علیل ہونے کی وجہ سے کونسل انتظامیہ قائم ہوئی جس کے پریزیڈنٹ نواب صاحب خود اور وائس پریزیڈنٹ جنرل صاحب کو بنایا گیا۔ نادر شاہ خان ابن دائم خاں جنرل صاحب کے اسسٹنٹ بنائے گئے۔ نواب سید حامد علی خان ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۸۸۹ء روز چہار شنبہ تختِ سلطنت پر مسند نشین ہوئے تو ان کی عمر چودہ سال دس مہینے ۲۷ دن تھی۔ ان کی صغر سنی کی وجہ سے 'کونسل آف ریجنسی' قائم ہوئی جس کے صدر صفدر علی خان اور نائب صدر جنرل صاحب کو بنایا گیا۔

۳ رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق ۳، اپریل ۱۸۹۱ء روز دوشنبہ کو شب کے وقت نواب مصطفیٰ خاں عرف منجھلے خاں تحصیل دار پسر عبداللہ خاں نے اپنے بیٹے کی شادی کے موقع پر ایک تقریب منعقد کی اور ریاست کے دیگر معززین کے ساتھ جنرل صاحب کو بھی بلایا۔ رمضان کا مہینہ تھا جنرل صاحب افطار کے بعد ۷ بجے جلسہ گاہ پہنچے۔ کھانے کے بعد رقص و سرور اور آتش بازی کا اہتمام تھا۔ معززین چلے گئے تو آخر میں جنرل صاحب گلے میں پھولوں کا ہار ڈالے ٹٹم پر سوار ہوئے تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ کارواں

سرائے کے قریب چھپے بیٹھے مخالفوں نے فائر کھول دیا۔ ٹمٹم دوڑ پڑی۔ کچھ دور آگے بھی مخالفین گھات لگائے بیٹھے تھے اور تلواروں، تمنچوں اور بندوقوں سے مسلح تھے۔ انھوں نے گولیاں چلا دیں۔ چھ سات گولیاں جنرل صاحب کو لگیں۔ گھر لایا گیا اور زخموں کی تاب نہ لا کر وفات پا گئے۔ ستمبر ۱۸۹۲ء میں جمال الدین خاں ملزم جنرل خاں کو گرفتار کر لیا گیا اور ۲۴ دسمبر کو اسے پھانسی دے دی گئی۔ مذکورہ تاریخ اسی موقع کے حوالے سے کہی گئی ہے۔ دیکھیے: (اخبار الصنادید جلد دوم ص ۲۵۳، ۲۵۴، ۳۰۵، ۳۱۸۔۳۴۱، ''تذکرہ کاملانِ رام پور''، ''رام پور تاریخ و ادب''، ص ۴۱۔۳۹)

۱۱۔ مذکورہ تاریخ سے ۴۹۴ + ۲۰۷ + ۴۰ + ۱۵ + ۲۸۳ + ۲۱ + ۲۴۸ = ۱۳۰۸ھ برآمد ہوتے ہیں لیکن کریم الدین نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے 'امیر مینائی اور ان کے تلامذہ' ص ۲۷۶ پر مادۂ تاریخ ''فاتحہ پڑھیئے'' لکھا ہے جنرل کا مزار' تحریر کیا ہے۔ جس سے ۴۹۴ + ۲۱۷ + ۱۵ + ۲۸۳ + ۲۱ + ۲۴۸ = ۱۲۷۸ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اگر 'ء' کے دس عدد بھی شمار کریں تب بھی ۱۲۸۸ھ برآمد ہوتے ہیں۔ جب کہ مطلوب ۱۳۰۸ھ ہیں۔ انھوں نے مادۂ تاریخ کے نیچے ۱۳۰۸ھ ہی تحریر کیا ہے۔ دراصل غلطی ان سے پڑھنے میں ہوئی۔ انھوں نے ''پڑھ لے'' کو ''پڑھیئے'' سمجھا۔ پرانے رسم الخط میں 'ے' کے نیچے بھی نقطے لگا دیئے جاتے تھے۔ چناں چہ کریم الدین نے 'لے' کو 'یے' سمجھ کر پچھلے لفظ 'پڑھ' کے ساتھ ملا کر پڑھیئے کر دیا جس سے مادۂ تاریخ غلط ہو گیا۔ متن میں موجود قطعہء تاریخ بیاض سے نقل ہوا ہے لیکن کریم الدین نے اس قطعے کے درج ذیل بیس اشعار زائد لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر مینائی نے بعد میں اس قطعے کے اشعار میں اضافہ کیا ہو گا۔ جو بیاض میں نقل نہیں ہو سکا ہو گا۔ یہ اضافہ شدہ اشعار امیر مینائی کے کاغذات میں ہوں گے۔ اضافہ شدہ اشعار اور ان کی ترتیب یہ ہے۔

باغ امکاں میں نہیں رنگِ ثبات	پھول سب مرجھا کے ہو جاتے ہیں خوار	۴
گل اسی اندوہ سے خونیں جگر	دل ہے لالے کا اسی سے داغ دار	۵
ہر کلی کے ساتھ ہے یاں بے کلی	ہر خوشی غم ہے خزاں ہے ہر بہار	۶
ہر ترقی کا تنزل ہے مآل	پست ہے ہر سربلند انجامِ کار	۷
اعظم الدین خاں بہادر جن کا رعب	شیر کو کرتا تھا گھر بیٹھے شکار	۹
ہو گئے کتنے قرابینوں کے فیر	چل گئے کتنے ہی بندوقوں کے وار	۱۳
ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے بگھی کے بھی	گر گیا گھوڑا بھی ہو کر زخم وار	۱۴
بُزدلوں نے چھپ کے مارا شیر کو	اور ہرن خود ہو گئے روباہ وار	۱۵

وہ دلاور ہو چکا تھا نیم جاں	لاش پر بے وقت پہنچے جاں نثار	۱۶
پھر سوا ماتم کے ہو سکتا تھا کیا	روئے پیٹے سینکڑوں پیدل سوار	۱۷
رات بھر تھی شہر میں چاروں طرف	ہائے جنرل ہائے جنرل کی پکار	۱۸
دوسرے دن ڈھل چکی جب دوپہر	خاک میں سونپا اسے انجام کار	۱۹
ہیں تو سب آثار حسنِ خاتمہ	تھا مہینہ روزوں کا وہ روزہ دار	۲۰
خون وقتِ دفن تک جاری رہا	تھا کفن سارا لہو سے داغ دار	۲۲
حکم سے اسلام کے اس حال میں	صاف ہے حکمی شہادت آشکار	۲۳
حشر میں شاہِ شہیداں ہوں شفیع	بخش دے اس کے گنہ آمرزگار	۲۵
جنت الفردوس میں پائے جگہ	سایہ طوبیٰ ہو سر پر چتر وار	۲۶
صبر کی توفیق ہو اعقاب کو	جائے دل سے اضطراب و اضطرار	۲۷
چاہیے مومن کو ایصالِ ثواب	ہے یہی اسلام و ایماں کا شعار	۲۸
ہاتھ اٹھانا چاہیے بہرِ دعا	جب سُوئے گورِ غریباں ہو گزار	۲۹

۱۲۔ حافظ محمد مبارک علی خان خلف چہارم محمد علی بخش خاں۔ ان کی ولادت ۱۸۳۹ء میں نجیب آباد ضلع بجنور میں ہوئی۔ والد کے ساتھ رام پور آئے۔ قرآن حفظ کیا اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ نواب فردوس مکاں ان کا سبق بھی اکثر سنا کرتے تھے۔ منصرم فیل خانہ، شتر خانہ، نازی خانہ، منصرم کھانچی، منصرم نزول، داروغہ پرمٹ، تحصیل دار اور بہت سی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ نواب خلد آشیاں کے ساتھ حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور اس سفر کی روداد ایک نوٹ بک میں بھی لکھی تھی۔

۱۳، اپریل ۱۸۹۱ء مطابق ۳ رمضان ۱۳۰۸ھ عبداللہ خان کے مکان پر جنرل اعظم الدین خاں کی دعوت تھی۔ دوسرے احباب کے ساتھ آپ بھی مدعو تھے۔ شب کو کھانا کھا کر وہاں سے مکان کو پیدل آ رہے تھے کہ کارواں سرائے کے ذرا آگے کوتوالی جدید کے محاذی جنرل اعظم الدین خاں کی ٹمٹم پر بدمعاشوں نے بندوق سے فائر کیے۔ یہ آگے نکل گئے تھے۔ جنرل کے ملازم کی آواز پر پلٹ کر گئے۔ بدمعاش موجود تھے۔ ان کی زبان سے یہ نکلا کہ بدمعاشو! میں نے پہچان لیا ہے۔ خالی ہاتھ تھے۔ تلواروں کے واروں کو ہاتھوں پر لیا۔ پیچھے سے ایک بدمعاش نے شانے پر وار کیا شانہ بالکل کٹ گیا۔ عقب سے گردن پر ایک نے تلوار کا وار کیا۔ گردن کٹ گئی اور سامنے سے ایک بدمعاش نے طمنچہ پیٹ پر مارا۔ یہ وہیں اوندھے منہ زمین پر گر گئے۔ لوگ جنرل صاحب کو زخمی حالت میں اٹھا کر لے گئے۔ یہ وہیں پڑے

رہے۔ کچھ راہ گیروں نے دیکھا۔ گھر پر خبر ہوئی۔ بڑے بھائی محمد اصغر علی خاں دوڑے ہوئے گئے۔ گھر پر نعش آئی اور دوسرے دن مولانا جمال الدینؒ کے مزار میں دفن کیے گئے۔ 'حافظ شہید' سے بھی تاریخ شہادت نکالی گئی۔ ان کی اولاد نرینہ میں پانچ فرزند تھے۔ (تذکرہ کاملانِ رام پور ص ۵۳۷۔۵۳۴)

۱۳۔ عبداللہ خان عرف بیچے خان رام پوری، (شوق نے بیچا خان لکھا ہے) غلام محی الدین کے صاحب زادے تھے۔ فارسی کی کتابیں اساتذہ رام پور سے پڑھیں اور اچھی استعداد حاصل کر لی۔ مولوی علی محمد خان، مولوی علیم الدین چاٹگامی، مولوی عبدالرحمن پنجابی، مولوی جعفر علی خاں کے علاوہ بہت سے لوگوں سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ زہد، تقوی امانت اور دیانت میں مشہور تھے۔ درس میں خاص ملکہ تھا۔ کارخانہ شکر سازی ریاست رام پور میں مہتمم تھے۔ مزاج میں سادگی اور انکسار تھا۔ حافظ احمد علی خاں شوق مؤلف ''تذکرہ کاملانِ رام پور'' کے والد سے دوستی تھی۔ شطرنج کے بھی استاد مانے جاتے تھے۔ رام پور میں جہاں آپ کے مکانات تھے وہاں محلّہ گھیر بیچا خاں کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے دادا نصرت خاں جناب سیّد احمد علی خاں کے عہد میں ذی مرتبہ تھے۔ بہت سی جائیداد کے مالک تھے۔ جوان کے بعد ان کے بیٹوں کے پاس رہی۔ بعد وفات محلّہ مدرسہ میں اپنے خاندانی مقبرے میں دفن ہوئے۔ اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور شاعری میں محمد عظیم الدین خاں عظیم سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ظہیری تخلص تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (۱۔ ''تذکرہ کاملانِ رام پور''، ص ۲۳۹، ۲۔ ''انتخاب یادگار''، ص ۲۱۱)

۱۴۔ مادۂ تاریخ میں لفظ 'گئی' کے ہمزہ کے دس عدد شمار کیے گئے ہیں۔ مادۂ تاریخ میں دوسری خوبی یہ ہے کہ امیر مینائی نے اس میں صنعت مقلوب استعمال کی ہے۔ شاعر نے مادۂ تاریخ میں پہلے لفظ 'روح' کو استعمال کیا پھر اس لفظ کے حروف کا الٹ 'حور' لائے جس سے مادۂ تاریخ میں خوب صورتی پیدا ہوگئی ہے۔ محمد علی جویا مراد آبادی نے اپنی تصنیف 'سرود غیبی' میں اس صنعت کا استعمال کیا ہے۔ اس صنعت میں تاریخ گویا ایسا مادۂ تاریخ کہتا ہے جس کے حروف کو الٹ دینے سے وہی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال میں جویا نے یہ تاریخ درج کی ہے۔

کس محل کو منہدم تو نے کیا　　کیوں نہ غم سے ہو جگر چاک اے فلک
لاکھ حسرت سے کہوں میں بہر سال　　کاخ ہو جائے آج وہ خاک اے فلک
۱۲۸۲ھ (سرود غیبی ص ۷۹)

آخری مصرع مادۂ تاریخ ہے۔ اس کے ہر لفظ کو الٹ دینے سے وہی لفظ بنتا ہے۔ امیر مینائی نے اس تاریخ میں پورے مادۂ تاریخ میں اس صنعت کو استعمال تو نہیں کیا لیکن ایک لفظ 'روح' سے فائدہ

اٹھایا ہے۔ روح کو الٹ دینے سے حور بنتا ہے۔ یہی اس مادۂ تاریخ کی خوبی ہے۔

۱۵۔ مولوی حکیم نواب نیاز احمد خان ہوش عرف بنّے میاں رئیس بریلوی خلف الصدق نواب نیاز محمد خان نبیرہ مکرم الدولہ حافظ رحمت خان والیِ روہیل کھنڈ ۱۸۳۷ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ علی جواد زیدی کے مطابق ان کی غزل کے مقابلے میں قصائد زیادہ کامیاب ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہنے کی قدرت رکھتے تھے۔ اچھے تاریخ گو تھے۔ ان کے کلیات میں اپنے معاصرین سے متعلق کئی تاریخیں موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے والد نواب نیاز محمد خان کی تاریخِ وفات 'اک سایۂ عاطفت اوٹھا آج' سے ۱۲۰۷ھ نکالی ہے۔ (ص ۲۰۵) ان کی تصانیف میں ''تاریخِ روہیل کھنڈ''، ''حدیقۂ نعمت''، ''دیوانِ نیاز''، ''مثنوی ترانۂ ہوش''، اور ''کلیاتِ ہوش'' شامل ہیں۔ ان کا کلیات ان کی وفات کے بعد ان کے خلف اکبر نواب حکیم نثار احمد خان نے ۱۳۱۲ھ میں مطبع گلشن فیض لکھنؤ سے شایع کروایا۔ دیکھیے: (۱۔ ''وفیات مشاہیر اردو''، ص ۶۲۵، ۲۔ ''قصیدہ نگاران اتر پردیش''، ص، ۳۳۹۔۳۳۸، ۳۔ ''کلیات ہوش''، سرورق)

۱۶۔ ان کے متعلق معلومات دست یاب نہیں ہوسکیں۔

۱۷۔ مولوی ارشاد حسین مجددی خلف مولوی حکیم احمد حسین، مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ محدث، مفسر، فقیہہ، درویش اور مدبّر تھے۔ آپ کے بزرگ سرہند پر سکھوں کی تعدی کے بعد بریلی آئے۔ آپ کے دادا غلام محی الدین بریلی سے رام پور تشریف لائے۔ آپ کی ولادت چودھویں صفر ۱۲۴۸ھ کو ہوئی۔ کتب فارسی اپنے والد اور شیخ احمد علی اور اپنے بھائی مولوی امداد حسین سے پڑھیں۔ حافظ غلام نبی، مولوی جلال الدین، مولوی نصیر الدین خاں سے صرف ونحو وغیرہ پڑھیں۔ لکھنؤ جا کر کتب منقول پڑھیں۔ رام پور واپس آ کر ملّا محمد نواب سے باقی ماندہ کتب معقول وغیرہ کا درس لیا۔ ملّا نواب صاحب، نواب خلد آشیاں کو بھی پڑھاتے رہے۔ نواب صاحب کو مذہب امامیہ کی تعلیم دینے کے لیے دو آدمی علیحدہ مقرر تھے۔ جس قدر عقائدِ امامیہ کی تعلیم ہوتی تھی مولانا اس کو نواب خلد آشیاں کی صفحۂ خاطر سے محو کرا دیتے تھے۔ نواب جنت آرام گاہ کو یہ حال معلوم ہوا تو ملّا نواب کی صحبت سے منع کر دیا۔ پھر آپ رام پور سے دہلی گئے۔ مُلا نواب افغانی بھی رام پور سے ترکِ تعلق کر کے دہلی چلے گئے۔ مُلّا نواب کی ہدایت سے آپ شاہ احمد سعید سے بیعت ہوئے۔ اور کمالات باطنی حاصل کیے اور شاہ احمد سعید کے اجلہ خلفا میں شمار ہوئے۔ شاہ صاحب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ہنگامے میں ہجرت کر کے مکہ معظّمہ جانے لگے تو آپ کو رام پور رخصت کیا۔ کچھ دنوں بعد آپ خود بھی زیارت حرمین شریفین کو چلے گئے۔ یہ

سفر پیدل آٹھ مہینے میں طے کیا۔ ایک سال بعد رام پور واپس آئے۔ چار سو روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ نواب خلد آشیاں کو آپ سے بہت محبت تھی اور آپ کی بہت تکریم کرتے تھے۔ نواب عرش آشیاں کے زمانے میں آپ کی خانقاہ کا وظیفہ بند ہو گیا۔ جنرل اعظم الدین خان کے قتل کے معاملہ میں بعض لوگوں نے آپ کو متہم کیا لیکن بعد میں یہ بات جھوٹی ثابت ہوئی۔

آٹھویں جمادی الآخر کو ۱۳۱۱ھ میں تپِ محرقہ شروع ہوئی۔ اسی حالتِ مرض میں آپ کے پاس جو امانتیں لوگوں کی موجود تھیں انھیں واپس کیا۔ دوشنبہ پندھرویں جمادی الآخر کو ۱۳۱۱ھ میں انتقال فرمایا اور اپنی مسجد کے متصل جانب مشرق اپنی ملکیت کی زمین میں دفن ہوئے۔ ان کی اولاد میں سے مولوی محمد احسان حسین، مولوی معوان حسین اور مولوی محمد ریحان حسین کے نام احمد علی شوق مؤلف 'تذکرہ کاملانِ رام پور' نے لکھے ہیں۔ ان کی تصانیف میں ایک ضخیم کتاب انتصار الحق بہ زبانِ اردو بہ جوابِ معیار الحق مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب شائع بھی ہو چکی ہے۔ ایک کتاب ''کتاب الحیل عالمگیری'' اردو زبان میں ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔ یہ کتاب کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔ ایک کتاب ''ارشاد الصرف'' ہے جس کا تتمہ مولانا سلامت اللہ نے لکھ کر طبع کرایا ہے۔

دیکھیے: (ا۔اخبار الصنادید جلد دوم ۲۱۹۔۲۱۹، ۲۔تذکرہ کاملانِ رام پور ص ۲۳۳۔۳۰) اسرائیل احمد مینائی صاحب نے یہ معلومات بھی دی ہیں کہ شبلی نعمانی ان سے درسِ حدیث لینے کے لیے رام پور آتے تھے۔ مولانا کا گھر امیر مینائی کے گھر کے قریب تھا۔ امیر مینائی اور مولانا کا بہت اچھا تعلق تھا۔ ایک رات امیر نیند سے پریشانی کی حالت میں بیدار ہوئے تو گھر والوں نے اس کا سبب پوچھا۔ امیر مینائی نے بتایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ مولانا ارشاد حسین کے گھر کے سامنے جو چشمہ بہہ رہا تھا وہ یکا یک خشک ہو گیا ہے۔ اسی پریشانی میں میری آنکھ کھل گئی ہے۔ چناں چہ اسی وقت پتا کروایا گیا تو معلوم ہوا کہ مولانا انتقال کر گئے ہیں۔

۱۸۔ ان کا خاندان سادات بلگرام سے تھا۔ ان کے والد سیّد نیاز علی محافظ دفترِ کلکٹری مقرر ہو کر شاہ جہاں پور آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ قاضیِ شہر سید امانت علی کی ہم شیر سے شادی کر لی تھی۔ محلّہ قاضی خیل ہی میں سکونت بھی تھی۔ سیّد نیاز علی ترقی کر کے ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے۔ ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے زمانے میں وہ مراد آباد میں تعینات تھے۔ وہ بھی بغاوت کے الزام میں ماخوذ ہو گئے تھے۔ اسی میں پھانسی کی سزا پائی۔ ان کے زہد و ورع اور پابند شریعت ہونے کی شہرت تھی۔ سیّد نیاز علی کے دو بیٹے تھے۔ بڑے سیّد واجد علی اور چھوٹے یہی سیّد آلِ نبی۔ دونوں کی تعلیم معقول پیمانے پر ہوئی تھی۔ سیّد واجد علی تحصیل دار مقرر ہو گئے تھے لیکن بے چارے تپِ دق کا شکار ہو کر جواں مرگی کا داغ دے گئے۔

سیّد نیاز علی نے دونوں بیٹوں کو مرزا غالبؔ کا شاگرد بنا دیا۔ افسوس کہ سیّد واجد علی کا تخلص معلوم نہیں ہو سکا۔ سیّد آلِ نبی نے فگارؔ تخلص اختیار کیا۔ سیّد نیاز علی کے پھانسی پا جانے کے بعد ان کی جائیداد بھی بہ حقِ سرکار ضبط کر لی گئی تھی۔ چناں چہ شاہ جہاں پور میں جو مکانات وغیرہ تھے۔ ان پر بھی حکومت نے قبضہ کر لیا۔ سیّد آلِ نبی کو والد کے ترکے میں سے کچھ نہ ملا اور انھیں ملازمت کی تلاش ہوئی تو پولیس تھانے دار (سب انسپکٹر) بھرتی ہو گئے۔ جلد ہی ترقی کر کے اولاً سررشتہ دار پولیٹکل ایجنٹ نیا گاؤں بنا دیے گئے۔ ریاست کدورہ کے سرکاری انتظام کے زمانے میں وہاں بھی تعینات رہے تھے۔

کدورہ کے قیام کے بعد ملازمت کو خیر باد کہا اور وطن شاہ جہان پور آ گئے۔ حکومت نے ان کے ضبط شدہ مکانات یا تو نیلام کر دیے تھے یا انعام میں اپنے خیر خواہوں کو عطا کر دیے تھے۔ سیّد آلِ نبی نے ان لوگوں سے مکانات خرید لیے اور انھیں از سرِ نو اپنے شایانِ شان تعمیر کرایا اور امیرانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ چندے بعد خدا معلوم کیا خیال آیا کہ حیدر آباد (دکن) کی راہ لی۔ بارے نصیبا یاور تھا۔ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد چار سو مشاہرے پر تعلقہ دار درجۂ دوم مقرر ہو گئے۔ نو دس برس تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ (نومبر، دسمبر ۱۸۹۳ء) میں وہیں حیدر آباد میں انتقال کیا۔ لاولد فوت ہوئے۔ دوسرے اثاث البیت کے ساتھ کلام بھی ضائع ہو گیا۔ ان کے بھانجے سیّد محمد محسن حیدر آباد گئے کہ ان کے سامان میں سے جو کچھ مل سکے وہ لے آئیں لیکن انھیں بے نیلِ مرام واپس آنا پڑا۔ معمولی چیزوں کے سوائے کچھ دست یاب نہیں ہوا۔ سیّد آلِ نبی بڑے خوش مزاج، خلیق اور سیر چشم، عالی حوصلہ اور بلند ہمت شخص تھے۔ پتنگ بازی اور بٹیر بازی کا بھی شوق تھا۔ وہ ہمیشہ رنگین کپڑے پہنتے۔ شاہ جہاں پور آتے تو اپنے قیام کے دوران ضرور مشاعرے کا انتظام کرتے۔ (''تلامذۂ غالب''، ص ۶۵۶۔۶۵۵)

۱۹۔ زاہد حسین زاہدؔ سہارن پوری امیر مینائی کے شاگردوں میں سے تھے۔ امیر اور ان کے درمیان کئی سال تک خط و کتابت رہی۔ امیر مینائی ان کی غزلوں پر اصلاح دیتے تھے۔ احسن اللہ خان ثاقب نے ''مکاتیب امیر مینائی'' کے مقدمے میں امیر مینائی کی ان کے کلام پر اصلاحوں کی کئی مثالیں درج کی ہیں۔ احسن اللہ خان ثاقب نے امیر مینائی کے ان کے نام خطوط ''مکاتیب امیر مینائی'' میں شائع کر دیے ہیں۔ اس کتاب میں ان کے ۱۱، اکتوبر ۱۸۸۷ء سے ۴ مارچ ۱۹۰۰ء تک کے عرصے پر محیط خطوط شامل ہیں۔ جن سے امیر مینائی اور ان کے درمیان تعلقات کی نوعیت بھی سامنے آتی ہے اور امیر مینائی اور ان کے درمیان جن مختلف موضوعات پر باتیں ہوئیں ان پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ امیر مینائی

جب لغت کی تیاری میں مصروف تھے تو لغت کے حوالے سے بعض معاملات پر تبادلہ خیال ہوا۔ ان خطوط میں انھوں نے لغت کے حوالے سے اپنے تحفظات کا اظہار بھی کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ لغت میں وہ انگریزی الفاظ جو اردو زبان میں مستعمل ہیں ان کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ امیر مینائی نے اپنے مؤقف سے انھیں آگاہ کیا۔ امیر مینائی کے ۳۰ ستمبر ۱۸۹۴ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں ان کی رفیقۂ حیات علیل تھیں۔ اس خط میں امیر نے انھیں حوصلہ دیا اور ان کی بیماری کے لیے دوا بھی تجویز کی تھی۔ ۳ جون ۱۸۹۵ء کے امیر کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رفیقۂ حیات کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس خط میں امیر مینائی انھیں حوصلہ دیتے ہوئے اور ان کی رفیقۂ حیات کی تعزیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''آج جو تمھارا خط آیا اس کا ہر فقرہ میرے کلیجے میں تیر بن کر اُترا۔ جواں مرگی کا صدمہ تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن بھی ہو تو دل دکھ جاتا ہے۔ ایسی خاتون جواں عمر، مانوس الطبع، خوش اوقات، خوش صفات کی مفارقت دائمی کا داغ کیوں کر دل میں ناسور نہ ڈالے۔ حق تعالیٰ ہی توفیق صبر دے تو صبر آئے۔ تعزیت نامہ میں نے علیحدہ لکھا ہے۔ اس کو ضرور بار بار پڑھیے۔ میں اب تمھارے واسطے دعائے توفیق مصابرت مانگتا ہوں اور مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت خدا سے اس کے بچے کو جو مرحومہ کی پیاری نشانی ہے پروان چڑھائے اور اقبال کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور تم کو اپنی بارگاہِ فیض سے (جہاں کسی چیز کی کمی نہیں) نعم البدل عطا فرمائے (ص ۱۸۲) یہ خط اسی ناگہانی وفات کے موقع پر لکھا گیا ہے جس کا قطعۂ تاریخ متن میں درج ہے۔ زاہد سہارن پوری نے ۱۸۹۷ء میں دوسری شادی کی تو امیر نے ان کی شادی کے موقع پر ایک تاریخ بھی لکھ کر بھیجی تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (مکاتیب امیر مینائی ص ۲۱۱۔۱۴۱)

۲۰۔ کریم الدین نے 'امیر مینائی اور ان کے تلامذہ' ص ۲۷۸ پر یہ تاریخ درج کی ہے اور سنہ مطلوب ۱۳۱۴ھ تحریر کیا ہے۔ جب کہ صحیح تاریخ ۱۳۱۲ھ ہی ہے۔ 'مکاتیب امیر مینائی' میں بھی ۱۳۱۲ھ درج ہے۔ (ص ۱۹۰) تاریخ سے اعداد بھی ۱۳۱۲ھ ہی نکلتے ہیں۔ غالباً ایسا کتابت کی غلطی سے ہوا ہوگا۔

۲۱۔ یہ حکیم حسین رضا خان ولد حکیم محمد حسن رضا خان لکھنوی کے شیر خوار بیٹے کی تاریخ وفات ہے۔ حکیم حسین رضا خان مطب کرتے تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے مختلف علما سے عربی کتابیں پڑھیں۔ معقول شمس العلما مولانا عبدالحق خیر آبادی سے، ریاضی مولانا عبدالعلی خاں رام پوری سے اور طب اپنے والد سے پڑھی۔ ۲۳ جون ۱۸۸۱ء کو نواب کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں کے عہد میں رام پور میں ملازم ہوئے۔ ۲۵، اپریل ۱۸۸۷ء کو نواب سیّد مشتاق علی خاں کے عہد میں ترقی ملی۔ ۱۸۹۳ء میں کونسل ایجنسی کے لیے انتظام میں آنریری مجسٹریٹ ہوئے۔ نواب سیّد محمد

حامد علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہ نے مزید ترقی دی۔ بائیس برس کی ملازمت کے بعد رام پور سے ترک تعلق کر کے لکھنؤ چلے گئے۔ اور اپنا مطب اور حلقہ درس جاری کیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر رام پور آ گئے۔ اور یہاں پر مطب شروع کیا۔ یکم ربیع الاول ۱۳۲۷ھ کو رام پور میں انتقال ہوا اور میاں محمد عاشق کے مزار میں بلاس پور دروازے میں دفن ہوئے۔ پس ماندگان میں پانچ فرزند چھوڑے۔ دیکھیے: (''تذکرہ کاملانِ رام پور''، ص ۱۰۵۔۱۰۴)

۲۲۔ مذکورہ مادۂ تاریخ سے ۶+۹۱+۴۳+۴۰۶+۹+۴۴۰+۲۵+۴۴۰+۱۵+۲۴۹+۳۱ = ۱۳۱۵، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ جب کہ مطلوب ۱۳۱۰ ہیں۔ پانچ اعداد کس طرح کم ہوتے ہیں معلوم نہیں ہو سکا۔ اگر لفظ 'مرجہا' کو 'مرجا' لکھ دیا جائے تو پانچ عدد کی زیادتی کو کم کیا جا سکتا ہے لیکن غالب امکان یہ کہ امیر مینائی نے ایسا نہیں کیا ہوگا کیوں کہ وہ ایک ماہر تاریخ گو تھے۔

۲۳۔ نواب کلب علی خان ابن نواب یوسف علی خان ۲۰ ذی الحج ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۳۵ء کو بہ روز اتوار پیدا ہوئے۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ بہ روز جمعہ مطابق ۱۸۶۵ء میں ریاست رام پور میں مسند نشین ہوئے۔ نواب یوسف علی خان نے اپنے انتقال سے قبل گورنر جنرل سے ان کی ولی عہدی کی منظوری لے لی تھی۔ امیر مینائی نے ان کی مسند نشینی کی تاریخ کہی

واقعی ہے امیر سالِ جلوس دَور دَورِ فلاح اب آیا(۱۲۸۱ھ)

۱۵ محرم ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۰ جون ۱۸۶۵ء کو باضابطہ مسند نشینی ہوئی۔ اس مسند نشینی میں مرزا غالب نے بھی شرکت کی تھی۔ ان کے عہد میں مشہور میلے 'میلہ باغ بے نظیر' کی ابتدا ہوئی۔ اس میلے میں روہیل کھنڈ کے امرا و رؤسا شریک ہوا کرتے تھے۔ نواب صاحب خود آٹھ روز وہیں مقیم رہتے اور دکانوں پر جا کر چیزیں خریدتے۔ نواب صاحب علم و ادب کے بڑے قدر دان تھے۔ ان کے عہد میں بڑے بڑے جیّد علما، فقرا، شعرا، خطاط، خوش نویس، قرا، حفاظ، سوز خواں اور داستان گو رام پور میں جمع ہو گئے تھے۔ شعرا میں مظفر علی اسیر، امیر مینائی، عاشور علی خان، مشہور نام ہیں۔ نواب صاحب خود شاعر بھی تھے۔ ان کے دو اوین میں 'نشید خسروانی'، 'دستنبوے خاقانی'، 'درۃ الانتخاب'، 'توقیع سخن'، اردو کے اور 'تاج فرخی' فارسی کا ہے۔

نجم الغنی نے 'اخبار الصنادید' میں امیر مینائی اور کلب علی خان کے حوالے سے ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس سے دونوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت اور امیر مینائی کی سیرت پر روشنی بھی پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''نواب یوسف علی خان کے عہد میں منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم عدالت دیوانی کے مفتی تھے۔

ان ایام میں نواب کلب علی خان ولی عہد بہادر نے اپنے باورچی کے مقدمے میں بہ ذریعہ چوب دار مفتی صاحب کو کچھ کلمات سفارشی کہلا بھیجے لیکن مفتی صاحب کے یہاں سے مقدمہ اس باورچی کے خلاف فیصل ہوا۔ بعض چوب داروں نے مفتی صاحب سے بیان کیا کہ ولی عہد بہادر کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی ہے۔ اور انھوں نے اپنی جگہ پر یہ فرمایا بھی کہ دیکھا جائے گا۔ جب نواب سیّد کلب علی خان مسند نشین ہوگئے تو مفتی صاحب نے بہ نظر احتیاط اپنے رام پور سے چلے جانے کا تہیہ کیا اس واقعہ کی اطلاع بہ ذریعہ پرچۂ اخبار نواب صاحب کو ہوئی کہ مفتی صاحب شہر سے روانگی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے مفتی صاحب کو خلافِ معمول نماز مغرب کے بعد طلب فرما کر ان سے دریافت کیا کہ 'کیا آپ کا ارادہ یہاں سے چلے جانے کا ہے' مفتی صاحب نے اثبات میں جواب دیا۔ نواب صاحب نے سبب پوچھا مفتی صاحب نے عرض کیا کہ 'مجھے حضور کی ناخوشی کا اپنی دانست علم ہے' نواب صاحب نے فرمایا 'کہ واقعی اس وقت مجھ کو ناخوشی ہوئی تھی مگر اب آپ کی اس کارروائی کا مجھ سے زیادہ کوئی قدر شناس دنیا میں نہیں ہے۔ جب آپ نے میرا اثر نہ مانا تو امید ہے کہ آپ انصاف کے جاری کرنے میں کسی کا لحاظ نہ کریں گے۔ بہ خاطر جمعی یہاں رہیے۔ مفتی صاحب نے ارادۂ روانگی فسخ کر دیا' (دوم، ص ۱۳۹۔۱۳۸)

۲۷ جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۷ء کو ۵۳ سال چھ مہینے اور سات روز کی عمر میں وفات پائی اور بعد وفات ان کا لقب خلد آشیاں مقرر ہوا۔ امیر مینائی نے تاریخ کہی۔

نقش کن از خامۂ حسرت سرِ لوحِ مزار　　خواب گاہِ حامیِ اسلام امیر المومنین (۱۳۰۴ھ)

تفصیل کے لیے دیکھیے: (۱۔ ''اخبار الصنادید''، جلد دوم ص ۲۵۱۔۲، ۱۳۲۔ ''انتخاب یادگار''، ص ۱۶۸۔۸۲)

۲۴۔ یہ مولوی محمد محسن، محسن کاکوروی کے دو صاحب زادگان، نور الحسن نیّر اور انوار الحسن کی شادی کی تاریخ ہے۔ تاریخ کی ایک خوبی یہ ہے کہ پہلے شعر کے پہلے مصرع میں محسن کاکوروی کا نام آیا ہے۔ تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں ان ک دونوں بیٹوں نور الحسن اور انوار الحسن کے نام آ گئے ہیں اور ساتویں شعر میں محسن کاکوروی، احسن کاکوری برادر محسن کاکوروی اور حسن بخش پدر بزرگوار محسن و احسن کاکوروی کے نام بھی آ گئے ہیں۔

۲۵۔ یہ محمد عمر خاں یوسف زئی رام پوری کی وفات کی تاریخ ہے۔ محمد عمر خاں، نظامت عالیہ مرشد آباد بنگال میں داروغۂ اصطبل تھے۔ ان کے حالات دست یاب نہیں ہو سکے۔ امیر کی یہ تاریخ ''دبدبۂ سکندری'' ریاست رام پور میں شایع ہوئی۔ نواب خلد آشیاں کے ایما سے ۱۲ جمادی الآخر ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۵، اکتوبر ۱۸۶۶ء میں 'دبدبۂ سکندری' کے نام سے ہفتہ وار ایک اردو اخبار جاری ہوا۔ اس اخبار کے بانی

مولوی محمد حسن خاں ابن نور محمد خاں تھے۔ ان کے دادا شاہ محمد خاں کو نواب سیّد فیض اللہ خان اپنے ساتھ اس وقت افغانستان سے لائے تھے جب احمد شاہ درّانی کے پاس سے ہندوستان کو لوٹے تھے۔ نواب کلب علی خاں، نواب سیّد مشتاق علی خاں، نواب سید حامد علی خاں نے ان کے ساتھ بہت حسن سلوک کیا۔ مولوی صاحب ۱۷ شوال ۱۳۰۴ھ کو فوت ہوئے۔ ان کی حیات ہی میں ان کے بیٹے محمد حسین اخبار کے مہتمم ہو گئے تھے۔ ("اخبار الصنادید"، جلد دوم ص ۱۲۸)

۲۶۔ مذکورہ تاریخ میں 'حیات کا وادی' ضرورت تاریخ کے حوالے سے لایا گیا ہے حالاں کہ حیات کی وادی ہونا چاہیے تھا۔ اگر کا، بہ جائے کی کی جائے تو نو عدد کا اضافہ ہو جاتا ہے اور سال مطلوب ۱۳۱۴ کی بجائے ۱۳۲۳ھ برآمد ہوتے ہیں جو ۰۵۔۱۹۰۴ء کے مطابق ہے۔ جب کہ امیر مینائی کی وفات ۱۹۰۰ء میں ہوئی لہٰذا 'کا' ہی درست ہوگا۔

۲۷۔ یہ معصوم شاہ صاحب کی رام پور میں واقع مسجد کی تاریخ ہے۔ معصوم شاہ صاحب سلسلہ مجدّدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہ صاحب اور امیر مینائی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ امیر مینائی کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ جمعہ کی نماز اس مسجد میں ضرور پڑھیں۔ ۱۹۰۰ء میں جب امیر مینائی کی وفات ہوئی تو معصوم شاہ صاحب نے امیر مینائی کے شاگرد جلیل مانک پوری جو اس وقت حیدر آباد میں تھے، کو لکھا کہ تم میری طرف سے امیر کی قبر پر حاضر ہو کر سعدی کا یہ شعر پڑھو۔

دیدۂ سعدی و دل ہم راہِ تست   تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

اس شعر سے شاہ صاحب کی امیر مینائی سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ خط محترم اسرائیل احمد مینائی کے کتب خانے میں موجود ہے اور مذکورہ بالا معلومات بھی ان ہی کے توسط سے حاصل ہوئی ہیں۔

۲۸۔ مادۂ تاریخ میں اگر لفظ 'صلوۃ' کے آخری حرف کو تاے مدورہ پڑھیں تو مطلوبہ اعداد حاصل نہیں ہوتے بلکہ ۱۷۰۵، اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ امیر مینائی نے 'صلوہ' لکھا ہے اور اس میں ہاے ہوّز استعمال کی ہے جس کی وجہ سے 'ہ' کے پانچ عدد شمار کرنے سے مطلوبہ اعداد حاصل ہوتے ہیں۔

۲۹۔ یہ امیر مینائی کے شاگرد مولوی منشی احسن اللہ خان ثاقب کی تصنیف 'سبعہ سیارہ' کی تاریخ ہے۔ اس تاریخ کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ امیر مینائی کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تاریخ ہے۔ تاریخ کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے کو امیر نے اپنے ہاتھ سے قلم زد کر کے نیا مصرع لکھ دیا ہے۔ احسن اللہ خان ثاقب نے امیر مینائی کے جو خطوط 'مکاتیب امیر مینائی' کے نام سے مرتب کر کے شایع کروائے تھے، اس میں یہ تاریخ موجود ہے لیکن اس میں نہ مصرعے کی تبدیلی کا ذکر ہے نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کس

طرح برآمد ہوتی ہے۔ اس تاریخ سے سنہ مطلوب برآمد ہونے کے معمے کا حل بھی امیر مینائی نے اپنے ہاتھ سے تحریر کر دیا ہے۔

فہرستِ اسنادِ محولہ

۱۔ احمد، کریم الدین، ڈاکٹر: ''امیر مینائی اور ان کے تلامذہ''، طبع اوّل، لاہور، آئینۂ ادب، ۱۹۸۲ء۔

۲۔ بریلوی، ہوش، خان، نیاز احمد، نواب: ''کلیات ہوش''، لکھنؤ، مطبع گلشن فیض، ۱۳۱۲ھ۔

۳۔ ثاقب، خاں، احسن اللہ، مولوی: ''مکاتیب امیر مینائی''، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، جون ۱۹۶۴ء۔

۴۔ حالی، الطاف حسین: ''دیوانِ حالی''، کان پور، نامی پریس، ۱۸۹۳ء۔

۵۔ روہیلہ، سعود الحسن: ''رام پور، تاریخ و ادب''، طبع اول، لاہور، ابلاغ پبلشرز، ۲۰۰۳ء۔

۶۔ سحر، ابو محمد، ڈاکٹر: ''مطالعۂ امیر''، طبع اوّل، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۵ء۔

۷۔ شوق، خاں، احمد علی، حافظ: ''تذکرہ کاملانِ رام پور''، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۸۶ء۔

۸۔ علی، جواد زیدی: ''قصیدہ نگارانِ اتر پردیش''، لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۳ء۔

۹۔ فروغ، بشارت علی: ''وفیات مشاہیر اردو''، نئی دہلی، کلکتہ آفیسٹ پریس، ۲۰۰۰ء۔

۱۰۔ مالک رام: ''تلامذۂ غالب''، کراچی، ادارہ یادگار غالب، ۲۰۰۸ء۔

۱۱۔ مراد آبادی، جویا، محمد علی: ''سرود غیبی''، لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور، ۱۸۸۱ء۔

۱۲۔ ممتاز علی، مولوی: ''آثار الشعرا''، بھوپال، مطبع شاہ جہانی، ۱۳۰۶ھ۔

۱۳۔ مینائی، امیر، امیر احمد: ''انتخاب یادگار''، لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء۔

۱۴۔ مینائی امیر: ''واسوخت اردو''، م۔ن، ۱۲۸۴ھ۔

۱۵۔ نجم الغنی، منشی، حکیم: ''اخبار الصنادید''، جلد دوم، لکھنؤ، منشی نول کشور، اول ۱۹۱۸ء۔

۱۶۔ ہاشمی، نصیر الدین: ''کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات''، جلد اول، حیدر آباد دکن، مطبع ابراہیمیہ، ۱۹۶۱ء۔